سیّد احتشام احمد ندوی

"الخطبات الاحمدیہ" پر ایک تنقیدی نظر-۱

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قائم "سرسیّد اکیڈمی" نے دسمبر ۱۹۸۹ء میں "سرسیّد احمد خان اور علی گڑھ تحریک: بازیافت" کے موضوع پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ کالی کٹ یونیورسٹی (کیرالا) کے صدر شعبۂ عربی پروفیسر سیّد احتشام احمد ندوی نے زیرِ نظر مقالہ اس سیمینار کے لیے لکھا جو بعد ازاں "سرسیّد: بازیافت" [مرتبہ عتیق احمد صدیقی، علی گڑھ: سرسیّد اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۹۰ء)] میں شائع ہوا۔ مرتّب کتاب اور ناشر کے شکریے کے ساتھ مقالے کا اوّلیں حصّہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے زیرِ نظر شمارے میں نقل کیا جاتا ہے، دوسرا حصّہ آئندہ شمارے میں درج کیا جائے گا اور تمام حواشی مقالے کے خاتمے پر درج ہوں گے۔ مدیر

"الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسّیرۃ المحمدیہ" سرسیّد کے اسلامی لٹریچر کی پیشانی کا نور ہے۔ مصنّف نے اس میں اپنے عشقِ رسول کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اُنہوں نے ذات نبوّت ﷺ سے اپنی گہری عقیدت اور حقیقی محبّت کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنے دوست مہدی علی خان (نواب محسن الملک) کو لکھتے ہیں[۱]۔

> چاہے میں محتاج، فقیر، بھیک مانگنے کے قابل ہو جاؤں مگر کتاب ضرور چھپواؤں گا تاکہ جب قیامت کے دن میرا نام پکارا جائے تو خدا فرمائے کہ سیّد احمد کو بلاؤ جو اپنے نانا کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا۔

پوری کتاب تحقیقات عالیہ کا عمدہ نمونہ ہے۔ کتاب مناظرانہ انداز اور الزامی جواب سے خالی ہے، پھر بھی نہایت تحقیق اور متانت کے ساتھ عیسائی اور یہودی عقائد کے کھوکھلے پن اور تحریفات کو واضح کیا گیا ہے، نیز مستشرقین کے اعتراضات کا جواب خود انہیں کی کتابوں سے دیا گیا ہے۔ یوں تو مستشرقین کے سلسلہ میں اُردو میں اچھا خاصہ لٹریچر موجود ہے، مگر جس اعلیٰ پیمانہ پر اور کمالِ تحقیق کا نمونہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے اس کا کوئی جواب ملنا مشکل ہے۔ جو لوگ یہ تصوّر رکھتے ہیں کہ سرسیّد نے "خطبات احمدیہ" میں سر ولیم میور کے اعتراضات نقل کر کے اُن کے جوابات دیے ہیں وہ غلط فہمی میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی یہ سوانح عمری صرف ۱۲ برس کی عمر تک پہنچی ہے اور اس کا تعلق سر ولیم میور کی پہلی جلد سیرت سے ہے۔ باقی تین حصّے اور ہیں جن کا جواب نہ لکھا جا سکا۔ میرے کہنے کا

مقصد یہ ہے کہ کتاب میں تصنیف کی شان ہے اور یہ محسوس کہیں بھی نہیں ہوتا کہ یہ کتاب کسی کتاب کے جواب میں تصنیف کی گئی ہے، لیکن مصنف نے ایک عالمانہ اور محققانہ انداز اختیار کیا ہے کہ کتاب خود اپنے موضوع پر منتہائے نظر بن گئی ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے وقت قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ سرسیّد ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں سرولیم میور کا ذکر درمیان میں کہیں کہیں آجاتا ہے جس طرح کہ دوسرے مستشرقین کا ذکر آجاتا ہے۔ اس طرح اُن کے جواب میں وزن اور دلائل کی عظمت موجود ہے۔ خود توریت اور انجیل کے حوالوں سے اور مستشرقین کے بیانات سے کتاب مزّین ہے۔ سرسیّد نے اصل کوشش تو یہ کی ہے کہ خود توریت اور انجیل سے سرولیم میور کے اعتراضات کو غلط ثابت کردیں۔ پھر اُنھوں نے مستشرقین کے لٹریچر کا عمدہ مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب میں صرف سرولیم میور کے اعتراضات ہی کو پیشِ نظر نہیں رکھا ہے بلکہ اپنے دور تک کے تمام مستشرقین کے اہم اعتراضات کو بھی اپنی اِس کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "خطبات احمدیہ" دورِ جدید میں علم کلام پر ایک اعلیٰ درجہ کا تحقیقی کام ہے۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس میں مستشرقین کی کاوشوں کا جائزہ اسلامی نقطۂ نظر سے لیا گیا ہے۔ اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ یہ کتاب اسلام اور عربوں کے تمدن پر، اُن کی تاریخ اور اُن کے جغرافیہ پر نہایت عالمانہ دستاویز ہے۔ اس میں سرسیّد نے اپنے قوائے ذہنیہ کا اعلیٰ مظاہرہ کیا ہے۔ اُنھوں نے کتاب کو عربوں کے عہدِ عتیق سے شروع کیا ہے مثلاً پہلے خطبہ کے عنوانات یہ ہیں

۱۔ جغرافیہ جزیرۂ عرب مع نقشہ عرب
۲۔ عرب البائدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں
۳۔ جھوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں
۴۔ جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں
۵۔ عرب عاربہ یعنی ٹھیٹ عرب
۶۔ قبائل عرب کی تفصیل
۷۔ عرب المستعربہ یعنی پردیسی عرب
۸۔ اولِ اسماعیل یا بنی اسماعیل
۱۱۔ ابراہیمی یا بنی قطورہ
۱۲۔ حضرت ہاجرہ کے حالات کتب یہود سے

مذکورہ بالا فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتاب مسلسل و مدلّل تصنیف ہے۔ پھر موضوعات اتنے وسیع ہیں کہ عربوں کا جغرافیہ، اُن کے تمام قبائل، اُن کی جملہ رسومات، اُن کے مذاہب، پھر یہودی اور عیسائی مذاہب پر تبصرے، اسلام کی بنیادی خوبیوں کا ذکر کرکے اس کو رحمت قرار دیتے

ہیں، چوتھا خطبہ اس پر ہے۔ پانچویں خطبہ میں کتبِ احادیث، سیر، تفسیر اور فقہ پر تبصرہ ہے۔ چھٹے خطبہ میں احادیث کے فن کا جائزہ ہے اور روایات کے جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کا مفصل بیان ہے اور احادیث پر سر ولیم میور کے ایرادات کی عالمانہ تردید ہے اور تدوین حدیث کی تاریخ ہے۔ ساتویں خطبہ میں قرآن مجید کے نزول کا مفصّل بیان ہے، ناسخ و منسوخ کی بحث ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن مجید کی تدوین کا ذکر ہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں قرآن مجید کی نقلوں کے مختلف اسلامی ملکوں میں پھیلانے کا ذکر ہے۔ سرسیّد نے دلائل قاطعہ سے قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اور اس خطبہ کے آخر میں سر ولیم میور اور دوسرے عیسائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب لکھا ہے۔ آٹھویں خطبہ میں خانہ کعبہ، حجر اسود، مختلف عہدوں میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی تاریخ، غلافِ کعبہ، اصنامِ کعبہ، زمزم اور واقعہ اصحاب فیل کا ذکر ہے۔ نویں خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا نسب نامہ ہے۔ دسویں خطبہ میں توریت اور انجیل میں جو بشارتیں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ان کا ذکر ہے۔ گیارھویں خطبہ میں آنحضرت ﷺ کے بچپن میں جب کہ وہ دائی حلیمہ کے یہاں تھے شقِ صدر کا بیان ہے اور پھر معراج کی ماہیّت پر عالمانہ تبصرہ ہے، بارہویں اور آخری خطبہ میں ولادتِ باسعادت سے لے کر بارہ برس کی عمر تک کے حالات ہیں۔

مذکورہ بالا تفاصیل سے یہ حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے کہ مصنّف نے تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ توریت اور بائیبل کا ورق ورق چھانا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی تحقیق کی ہے۔ اب میں ذیل میں چند تحقیقات نمونتہً پیش کرتا ہوں البتہ یہاں اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ ہر چند کہ سرسیّد کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنے کام کو مکمل شکل میں پیش کرتے، تاہم موجودہ خطبات اتنے جامع اور مکمل ہیں کہ عربوں کی ابتدائی تاریخ سے لے کر اسلام کے تمام بنیادی مذہبی علوم کی نشوونما کی تاریخ اور اسلام پر مستشرقین کے بنیادی اعتراضات اور عربوں کی قدیم تاریخ پر زبردست بحثیں اور عالمانہ تحقیقی نکتے مدلّل طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ بعض خطبے اور بعض بحثیں تو اس لائق ہیں کہ اُن کو کتاب سے نکال کر الگ سے شائع کیا جائے۔ تاکہ اُن کا نفع عام ہوسکے۔ پھر ابتدائی بحثیں اتنی تحقیقی اور عالمانہ ہیں کہ عام ناظرین جن کا ذوق تحقیقی نہیں، وہ اُن سے لطف نہیں لے سکتے۔ اِس بناء پر اگر تاریخی حصّہ کو الگ جمع کردیا جائے تو خود ایک عمدہ کتاب ہوسکتی ہے یہی حال علوم اسلامیہ والے حصّہ کا ہے۔ اس طرح اعتراضات کے جواب کا حال ہے۔ اگر اس حصّہ کو الگ کردیا جائے تو نفع زیادہ عام ہوسکتا ہے۔ الغرض کتاب میں معلومات اس قدر ہیں کہ قاری کو فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہے۔ ان تعارفی کلمات کے بعد اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں کہ سرسیّد نے عربوں کے بارے میں کس طرح مختلف نظریات کو رد کیا ہے۔ مستشرقین کی مسلّمہ تحقیقات کو غلط ثابت کیا ہے اور خود اپنے نظریات قائم کیے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اُنہوں نے بے شمار مواقع پر خود اپنی رائیں قائم کی ہیں اور مسٹر راور ند فارسٹر کی

تردید کی ہے اور توریت سے اس طرح استدلال کیا ہے جو توریت کا ایک زبردست عالم ہی کر سکتا ہے۔ ہمارے علماء تو توریت وانجیل کا مطالعہ کیا معنی اُن کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتے، مگر سرسیّد نے اس کتاب میں توریت سے خاص طور سے اور انجیل سے بھی بڑا نفع اٹھایا ہے اور ان دونوں کتابوں کو اسلام کی مدافعت کے لیے استعمال کیا ہے۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ تحقیق کے دوران اُنھوں نے بڑے بڑے ائمہ اسلام کی پروا نہیں کی ہے۔ امام بخاری کی بعض روایات پر ایراد کیا ہے اور بڑی وضاحت سے دلائل کے ساتھ اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔

سب سے پہلی بحث یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین بیویاں تھیں۔ دو بیویاں اور ایک لونڈی۔ حضرت سارہ پہلی بیوی ہیں جو ادھیڑ عمر تک لاولد رہیں۔ حضرت ہاجرہ دوسری بیوی ہیں جو شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ یہاں سرسیّد نے پوری طاقت سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں، بیوی تھیں۔ پھر اُنھوں نے بتایا کہ اصل لونڈی قطورہ تھیں۔ اِن میں سب سے پہلے اولاد حضرت ہاجرہ سے ہوئی۔ سرسیّد نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرعونِ مصر کے دربار میں گئے تو سارہ کو بیوی کی بجائے بہن بتایا۔ اس پر فرعون نے اُن سے شادی کرلی مگر وہاں جوان کی پاکبازی کا معجزانہ انداز دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان کو تربیّت و تعلیم ایسی دی گئی ہے جو نبی ہی کرسکتا ہے لہذا اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالہ کیا اور کہا کہ آپ کے گھر میں لونڈی رہنا کسی بادشاہ کے گھر میں ملکہ رہنے سے بہتر ہے۔ سرسیّد کی تحقیق کے مطابق خود حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے خواہش ظاہر کی کہ وہ حضرت ہاجرہ سے نکاح کرلیں تاکہ شوہر کی نسل چل سکے۔ چنانچہ سب سے پہلے اُن کے یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اب حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو گھر سے نکال دو ورنہ ان کو جائیداد میں حصّہ مِل جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن دونوں کو بئرشبع[۲] میں جلا وطن کر دیا۔ اب بئرشبع کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

عیسائی محققین نے سرسیّد کے نزدیک عمداً غلطی کی ہے۔ بئرشبع وہ کنواں تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کھودا تھا اور وہ وہاں پہلے رہ چکے تھے۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام جن کی عمر سرسیّد کی تحقیق کے مطابق ۱۴ برس یا ۱۶ برس کی رہی ہوگی، دونوں زیادہ بئرشبع میں قیام نہ کرسکے کیوں کہ وہاں امن نہ تھا۔ قرب وجوار میں جنگجو وفسادی قومیں آباد تھیں لہذا امن کی خاطر دونوں ایسے مقام پر گئے جو پُرامن تھا یعنی مکّہ پہنچے۔ جو پانی راستہ سے ساتھ لائے تھے وہ ختم ہوگیا۔ اب یہاں پانی کا مسئلہ سامنے آیا۔ سرسیّد کی دلیل یہ ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں پانی کی افراط ہے۔ بئرشبع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنوئیں کے علاوہ دوسرے کنوئیں بھی موجود تھے وہاں پانی کی کمی نہ تھی۔ پانی تو مکّہ میں

نہ تھا، لیکن عیسائی مورّخوں نے کیوں فاران سے مراد بئر شبع لیا ہے؟ اور کیوں حضرت ہاجرہ کے لکالنے اور اُن کے بئر شبع سے فاران جا کر وہاں بسنے دونوں کو ایک کر دیا ہے؟ سر سیّد فرماتے ہیں کہ اگر فاران سے مراد مکّہ وہ مان لیں تو اُن کو پیشین گوئیوں کی تصدیق کرنی پڑے گی کہ آنحضرت سچّے نبی ہیں جو فاران میں مبعوث ہوئے، اِس لیے اُنھوں نے بئر شبع اور فاران دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ [۳]

> اِس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو اس بات کی تسلیم بھی لازم آتی ہے کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے، بلاشبہ اِس سے محمد رسول اللہ ﷺ کا نبی ہونا مراد ہے۔

سر سیّد فرماتے ہیں کہ اصل عبری توریت میں صرف دو نام ہیں۔ شور اور اشورہ۔ شورہ سے مراد شام اور اشورہ سے مراد اسیریا تھے [۴]۔

> اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسمٰعیل اِس وسیع قطعہ میں آباد ہوئے تھے جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہمارے اس نتیجہ کی اِس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سرزمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص وہاں سے اسیریا کی جانب عزیمت کرے تو توریت مقدّس کی اس آیت کی کماحقہ تصدیق ہوتی ہے۔ جہاں لکھا ہے "جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسیریا کی طرف روانہ ہو یعنی مصر کے سامنے ہے اگر تم ایک خطِ مستقیم وہاں سے اسیریا تک کھینچو۔

اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے سر سیّد نے تحقیق کے ہفت خواں طے کیے ہیں۔ ایک ایک عیسائی کے دلائل کو توڑا ہے اور خود توریت سے ثابت کیا ہے کہ "فاران" سے مراد مکّہ ہے اور اِس فاران کی نشان دہی کی ہے جو حضرت موسیٰ کو مصر سے جلاوطنی کے دوران ملا تھا اور جہاں اس نام سے ایک فاران قوم آباد ہے جس کے حدودِ اربعہ حجاز کے حدودِ اربعہ سے قطعاً مختلف ہیں۔ الغرض ایک طویل و عریض تحقیقی سفر کے بعد اُنھوں نے دلائل قاطعہ سے ثابت کیا کہ فاران سے مراد مکّہ ہے۔ اِن بحثوں میں ضمنی تحقیقات اور عیسائی مصنفین کی تردیدات بکثرت موجود ہیں جن سے سر سیّد کی وسعتِ نظر کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

اسی بحث کے دوران اُنھوں نے حضرت امام بخاری کی دو روایتوں پر [اعتراض] کیا ہے اور اِن کے معتبر ہونے پر کلام کیا ہے [۵]۔ مگر بڑے ادب سے فرماتے ہیں کہ

> بخاری کا ادب صرف اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ ابن عباس نے سعید بن جبیر سے یہ روایت بیان کی ہے اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے جن سے بخاری

تک یہ روایت پہونچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے درحقیقت اس کو پیغمبر ﷺ سے سنا تھا۔

دو روایتیں بخاری کتاب الانبیاء میں موجود ہیں اور کافی طویل ہیں۔ دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بوری کھجور اور ایک چھاگل میں پانی رکھ کر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکّہ میں چھوڑ دیا اور خود واپس ہونے لگے۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ خدا کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے کہا ہاں! تب ہاجرہ نے فرمایا کہ پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا مانگی کہ اے رب ہم نے اپنی اولاد کو غیر زرخیز وادی میں بسایا ہے تیرے گھر کے پاس، اِن کو پھلوں سے رزق دے۔ جب پانی ختم ہوگیا تو پیاس سے اسماعیل کا حال خراب ہوگیا اور حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں۔ سات بار دوڑیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسی بناء پر لوگ حج میں سات بار دوڑتے ہیں۔ پھر خدا نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا وہ زمزم کے پاس آئے اور وہاں سے پانی پھوٹ نکلا۔ اور حضرت ہاجرہ نے پانی اپنے چھاگل میں بھر لیا اور وہ بہہ رہا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا اُمِ اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ پانی چھوڑ دیتیں اور جمع نہ کرتیں تو وہ ہمیشہ چشمہ کی طرح بہتا رہتا۔

سر سیّد اس حدیث کے صرف ان ٹکڑوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن کو حضرت ابن عباس نے حضور کی طرف منسوب کیا ہے۔ باقی حدیث کو وہ قومی کہانی تصوّر کرتے ہیں۔ اس طرز کی دو روایتیں بخاری میں ہیں۔ اور دونوں میں باہم اختلافات بھی موجود ہیں۔ بعد میں ایک اور روایت نقل کی ہے اور اس کو بھی بے اعتبار قرار دیا[6]۔

جب دلائل قاطعہ سے یہ ثابت کر دیا کہ فاران سے مراد مکّہ ہے، تب اُنھوں نے امام بخاری کی دو روایتوں پر تنقید کی کہ اِن دونوں روایتوں میں حضرت ابن عباس نے اپنے بیانات کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ اس بناء پر اُن کے اندر جو مفاہیم ہیں وہ آنحضرت کے نہیں بلکہ حضرت ابن عباس نے بنی اسرائیل سے سنا ہوگا یا خاندانی و قومی روایت کے طور پر ان تک رسائی ہوئی ہوگی۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں حضرت ابن عباس نے پیغمبر خدا ﷺ سے سنی ہوں گی لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اِن کے دو فقروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں فقرے ان روایتوں کے نہیں ہیں، کسی اور مقام کے ہیں۔ اِن دونوں فقروں کو سلسلہ [illegible] روایت سے علیٰحدہ کر کے بالتخصیص انہیں دونوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے اور یہ ثبوت اس کا ہے کہ راوی نے باقی مضمون کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب سمجھا ہے[7]۔

ایک اور امر جو اِن روایتوں کی صحت پر شبہ پیدا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت ابراہیم کی یہ دعا "رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم"

(اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کو تیرے مقدس گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی) بیان ہوئی ہے اور راوی نے غلطی سے یہ سمجھا کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو نکالا تھا اسی زمانہ میں وہ خود مکہ میں اُن کے بسانے کو گئے تھے، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ نہ اس زمانہ میں حضرت ابراہیم اُن کو بسانے کے لیے مکہ گئے اور نہ اس زمانہ میں بیت اللہ الحرام بنایا گیا تھا۔ راوی نے دو مختلف زمانوں کے واقعات کو غلط ملط کر دیا ہے۔ ایک اس زمانہ کے واقعہ کو جب کہ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل نے زمزم کے پاس سکونت اختیار کر لی تھی (اور دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ) دوبارہ حضرت ابراہیم اُن کے پاس آئے تھے اور بیت اللہ الحرام بنایا تھا اور جاتے وقت یہ دُعا مانگی تھی کہ

"اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم"

میں نے ملخصاً ان تحقیقات کا ذکر کیا ہے مگر بیچ بیچ میں ضمنی تحقیقات اور یورپی مصنفین کے بیانات پر فکر انگیز تبصروں سے کتاب پُر ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ تاریخ و تحقیق کی مثالوں کی طرح چند مثالیں مدافعتِ اسلام کی بھی پیش کر دوں، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ "خطباتِ احمدیہ" دورِ جدید میں علمِ کلام کا روشن مینار ہے۔ سرسیّد نے مستشرقین کے الزامات کا جواب عالمانہ انداز سے دیا ہے اور اکثر خود انصاف پسند عیسائیوں کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ یہودی اور عیسائی مذہب پر اسلام کے احسانات گنائے ہیں اور اسلام کی وسعتِ نظر اور حسنِ سلوک کو وضاحت سے بیان کیا ہے جو اس نے غیر مذہب والوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عیسائیت کی تنگ نظری کو تاریخ کے آئینہ میں طشت از بام کیا ہے کہ اُنہوں نے اسپین میں تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ مذہبی عدالت قائم کر کے ایک کروڑ سے زیادہ عیسائیوں کو مذہب کے نام پر قتل کیا۔ اسلام نے انسانوں کو قتل کرنے کے لیے کوئی مذہبی عدالت قائم نہیں کی۔